

# قرآن مجید کا اعظم معنی

پیکارِ اصرافِ صنیعہ

پروفیسر ڈاکٹر

غلام نصیر الدین نصیر ہونو زانی

ڈاکٹر آف لیٹرز (آنریری)، ڈسٹنگویشڈ سینیئر پروفیسر

سینیئر یونیورسٹی کنیڈا، یو۔ ایس۔ اے

# قرآن پاک الیٰ اعظم میں

ISW

بیمار تصنیفات

عَلَامَ نَصِيرِ الدِّينِ نَصِيرٌ هُوَ نَزَائِلُهُ

لَيْسَ بِالْقَوْلِ حِكْمُ الْعَالَمِ

Institute for  
Spiritual Wisdom  
and  
Luminous Science

Knowledge for a united humanity

شائع کرکے

ادارہ ایف ایف ایف

حکومت پاکستان

۳۔ اے نور ویلا۔ ۲۶۹ گارڈن ویسٹ کراچی ۷۷۔

# امام اولین و آخرین

## (انتساب)

۱۔ اے نورِ عینِ من! (یعنی ہر عزیز) مجھے یقین ہے کہ آپ علیؑ جو زمانِ صلوٰۃ اللہ علیہ و سلامہ کے علمِ باطن سے بیحد شادمان اور خرسند ہیں، کیوں نہ ہو جبکہ اسی علم میں دینِ اسلام کے اسرارِ عظیم پنہان ہیں اور اسی علم کے حصول سے اہل ایمان کو اللہ اور اس کے رسولؐ کی خوشخبری حاصل ہو سکتی ہے، پس اے نورِ چشمِ من! آپ ان گرانمایہ حقیقتوں اور معرفتوں کو بھرپور توجہ اور شوق سے سُن لیں۔

۲۔ حدیث شریف ہے: نَزَلَ الْقُرْآنُ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرَفٍ لِعِنِّي قُرْآنٌ سَاتِ حُرُوفٍ پَرِ نَازِلٌ هُوَ اَهْلٌ۔ الالتقان میں ہے کہ اس حدیث کے معنی میں چالیس کے قریب مختلف اقوال آئے ہیں، میں عرض کرتا ہوں کہ جن سات حرفوں پر قرآن نازل ہوا ہے وہ درج ذیل ہیں:-

حرفِ ادل حضرت آدمؑ، حرفِ دوم حضرت نوحؑ، حرفِ سوم حضرت ابراہیمؑ، حرفِ چہارم حضرت موسیٰؑ، حرفِ پنجم حضرت عیسیٰؑ، حرفِ ششم حضرت محمدؐ، اور حرفِ ہفتم حضرت قائمؑ، یہ قرآنِ حکیم کے وہ سات زندہ حروف ہیں،

جن پر قرآن نازل ہوا، جس کی وضاحت اس طرح ہے :-  
 مذکورہ حدیث میں حرف سے باطنی اور تاویلی معنی مراد ہیں، پس  
 قرآن کی سات تاویلات ہیں: تاویلِ آدمؑ، تاویلِ نوحؑ، تاویلِ ابراہیمؑ،  
 تاویلِ موسیٰؑ، تاویلِ عیسیٰؑ، تاویلِ محمدؐ، اور تاویلِ قائمؑ، ہر تاویل سرتاسر  
 قرآن عزیز میں پھیلی ہوئی ہے، جیسے سورہ اسراء (۱۷: ۸۹) اور سورہ  
 کھف (۱۸: ۵۴) میں یہ مفہوم ہے کہ اللہ ایک ہی حقیقت کی طرح طرح  
 سے مثالیں بیان فرماتا ہے۔

۳۔ قرآن کی روحانیت و عقلانیت شروع سے لے کر آخر تک  
 ایک جیسی ہے، مگر اس کی بنیادی اور بڑی مثالیں صاحبانِ ادوار کے  
 اعتبار سے سات قسم کی ہیں، اور لازمی طور پر ان کی تاویلیں بھی سات  
 ہیں، پس اسی وجہ سے فرمایا گیا کہ قرآن سات حرفوں (یعنی سات  
 تاویلی معنوں) پر نازل ہوا ہے۔ چنانچہ ہم یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام  
 کی مثال کو دیکھتے ہیں کہ خداوند عالم نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا :-  
 قَالَ اِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ط (۲: ۱۲۴) خدا نے (ابراہیمؑ  
 سے) فرمایا کہ میں تم کو لوگوں کا امام (پیشوا) بنانے والا ہوں۔ یعنی نہ  
 صرف حاضرین ہی کا امام بلکہ اولین و آخرین کا بھی، اس کی پہلی دلیل یہ ہے  
 کہ جب حضرت ابراہیمؑ کے زمانے میں امام کا ہونا لوگوں پر اللہ کا احسان  
 تھا تو پھر اولین و آخرین پر یہ احسانِ عظیم کیوں نہ ہو، دوسری دلیل لفظ  
 ”الناس“ ہے، یعنی خدا کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لوگوں کے لئے امام بنانا،

یہ لفظ درحقیقت محدود نہیں مطلق ہے، یعنی اس سے ہر زمانے کے لوگ مراد ہیں، چنانچہ اللہ جلّ جلالہ یہ چاہتا تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نہ صرف محدود وقت کے لئے امام بنائے بلکہ حقیقت سے حجاب ہٹا کر یہ ظاہر کر دے کہ اس کو اپنے آباؤ اجداد کی حیثیت میں بھی امامت عطا ہوئی تھی، اور آئندہ نسل میں بھی یہ مرتبہ ملنے والا ہے، پس یہ قرآن حکیم کی تیسری تاویل کی ایک روشن مثال ہے۔

۴۔ چھوٹے چھوٹے معصوم بچے والدین کی تگا ہوں میں کتنے حسین لگتے ہیں، یہ تو روضہ آدمیت کے دل آویز غنچے ہیں، اس لئے ان کو سب چاہتے ہیں، انارکلی ہو یا غنچہ گلِ سُرخ یا شکوفہ گلِ سُوری یا کچھ اور نوعِ عروسانِ حُمن (تازہ کلیاں) وہ خوش منظر اور دلکش ضرور ہیں، لیکن پیارے پیارے بچوں کی طرح ہرگز نہیں، ادارہ عارف کے نائب صدر محی الدین (ابن شاہ صوفی ابن خلیفہ قدیر شاہ ابن حیدر محمد) کی سات سالہ بیٹی سارہ، پانچ سالہ بیٹی قدیر شاہ، اور دو سالہ بیٹی بدرہ کا ذکر جمیل ہے الحمد للہ ان عزیز بچوں کی نعمت پر ان کے والد محترم اور دونوں فرشتہ خصلت مائیں بیحد شادمان اور شکر گزار ہیں۔

ن۔ ن۔ (حُبّ علی) ھ۔

کراچی

چهار شنبہ ۱۱ رذی القعد ۱۴۱۵ھ ۱۲ اپریل ۱۹۹۵ء



**Institute for  
Spiritual Wisdom  
and  
Luminous Science**  
Knowledge for a united humanity

**This Page Intentionally Left Blank**

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## سوالیہ تشوئق و ترغیب

۱۔ کیا اسمِ اعظم اپنی باطنیت و حقیقت میں ایک زندہ نور اور ایک علم و حکمت کی بولتی کائنات ہے؟ آیا یہ درست ہے کہ دراصل اسمِ اعظم کی روح و روحانیت قرآنِ پاک ہی کی روح و روحانیت ہے؟

۲۔ نزولِ قرآن کے کیا کیا مقاصد تھے یا ہیں؟ اور اس کا سب سے عظیم مقصد یا سب سے اعلیٰ مقصد کیا ہو سکتا ہے؟ یہاں تحصیل و تکمیل مقاصد کے لئے کیا کیا شرائط اور وسائل مقرر ہیں؟

۳۔ کلامِ الہی (قرآن) محدود ہے یا غیر محدود؟ قرآن مجید امرِ کل یعنی کلمہ کُن میں بھی ہے، عقلِ کل (عقلِ اعلیٰ) میں بھی، نفسِ کل (روحِ محفوظ) میں بھی ہے، کیونکہ یہ کتابِ سماوی اور نورِ امامت بفرمودہ رسولِ اکرم اللہ کی وہ رسی ہیں جو بندوں کے عروج و ارتقاء اور وصال کی خاطر آسمان اور زمین کے درمیان لگائی ہوئی ہے (سَبَبًا مَوْصُولًا مِنَ السَّمَاءِ اِلَى الْاَرْضِ - شرح الاخبار، جزء العاشر، ص ۴۸۱) جس کا آسمانی سرا خدا کے ہاتھ میں ہے اور زمینی سرا لوگوں کے سامنے، اس روشن بیان سے یہ یقین آیا کہ اللہ کی رسی جو قرآن اور امام کی

حیثیت میں ہے اس سے کوئی بھی اعلیٰ مرتبہ جدا نہیں، نہ امر کُن، نہ عقل کُل، نہ نفس کُل، نہ وحی کے دوسرے فرشتے، وغیرہ۔

۴۔ مذکورہ بالا وضاحت کی روشنی میں کیا یہ حقیقت نکھر کر سامنے نہیں آتی کہ یہی رستی آسمانی سیر بھی ہے اور صراطِ مستقیم بھی؟ یہی ہادی برحق بھی ہے اور ہدایتِ حقہ بھی؟ کیا یہ ممکن نہیں کہ جس طرح قرآن حکیم میں یقیناً اسمِ اعظم پوشیدہ ہے اسی طرح اسمِ اعظم میں قرآنِ عظیم لپٹا ہوا ہو؟ کیونکہ عالمِ وحدت کی ہر چیز میں سب چیزیں جمع ہوتی ہیں۔

۵۔ اسمِ اعظم تمام اسماء سے بڑھ کر ہونے کے یہ معنی ہیں کہ وہ زندہ اور گویندہ ہے، جس سے پیغمبر اور امام مراد ہیں، جو جسماً، روحاً و عقلاً بے مثال ہیں، خدا کے ایسے اسمِ اکبر میں کئی بزرگ اسماء جمع ہو جاتے ہیں، لہذا اسمِ واحد کو قرآنِ کریم میں اسماء الحسنیٰ کہا گیا ہے اسمِ اعظم کی تجلیات و ظہورات، میں ہر نوع کا باطنی، روحانی، عقلی، علمی، اور عرفانی حسن و جمال بدرجہٴ کمال پایا جاتا ہے، اور یہ اسماء الحسنیٰ کی ایک مختصر تفسیر ہے۔

۶۔ اسمِ اعظم میں نہ صرف قرآن ہی پوشیدہ ہے بلکہ اس میں قیامت اور بہشت بھی پنہان ہے، جبکہ خدا کے اس نورانی نام کے ذکر میں قیامت خیز انقلاب اور روحانی و عقلانی ترقی پوشیدہ ہے، یہ عقلمندی سے سوچنے کی بات ہے کہ اگر قرآن حکیم اور دینِ اسلام میں اسمِ اعظم ایک مسلمانہ حقیقت ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ سب سے افضل و اعلیٰ



ذکر اسم اعظم ہی ہے، اسی وجہ سے ارشاد ہوا:-

وَرَبِّهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ فَادْعُوهُ بِهَا۔ اور حُسن و خوبی سے بھرے ہوئے (بزرگ) نام اللہ ہی کے خاص ہیں پس اُسے انہی ناموں سے پکارو (۷ : ۱۸۰) پھر ذکر و عبادت اور گریہ و مناجات کی ہر چیز اسی وسیلے سے کیوں نہ ہو۔

۷۔ دنیا میں ہمیشہ ہر شخص ہی چاہتا ہے کہ اس کا کام بہ (اچھا) سے بہتر اور بہتر سے بہتر ہو، جس کے لئے وہ بہترین طریقہ کار کو ڈھونڈ لیتا ہے، چنانچہ خداوندِ قدوس نے اپنے دوستوں کے لئے دین میں عمدہ سے عمدہ اور خاص سے خاص نعمتیں رکھ دی ہیں اے نورِ عینِ من! آپ سب عزیزان ان تمام آیات مبارکہ کو خوب غور سے پڑھ لیں جو احسن اور حُسنی کے موضوع سے متعلق ہیں، یہ دونوں اسمِ تفضیل ۳۶ + ۱۷ = ۵۳ مقامات پر ملیں گے، کیونکہ اس لفظ (احسن / حُسنی) میں اسمِ بزرگ یعنی اسمِ الحُسنی کی تعریف و توصیف بھی ہے، اور ساتھ ہی ساتھ اس حقیقت کا ثبوت بھی ہے کہ دینِ فطرت (اسلام) میں قول و فعل اور علم کے درجات ہیں، تاکہ ہر آدمی درجہ بدرجہ روحانی ترقی کر سکے۔

۸۔ اے نورِ عینِ من! کیا دینِ اسلام کا ایک پیارا نام ”صراطِ مستقیم“ نہیں ہے؟ کیا اس راہِ راست پر آگے سے آگے جانے اور ترقی کرنے کا حکم نہیں ہے؟ اے عزیزانِ من! آیا قرآنِ حکیم میں یہ ارشاد نہیں

ہے کہ لوگ مختلف درجوں میں ہوا کرتے ہیں (۶: ۱۶۵)؟ یہ بات دینی اور دنیوی دونوں اعتبار سے درست ہے، اسے نورِ چشم من! قرآن و حدیث میں سیرِ طہی (معراج) کی مثال بڑی پُر حکمت ہونے کے ساتھ ساتھ قابلِ فہم بھی ہے، چنانچہ ایک فردِ مسلم کی مدتِ حیات اس کے روحانی عروج کے لئے سیرِ طہی ہے، لیکن یہ نہیں معلوم کہ اس نردبانِ آسمان پر ہر شخص کی کیا ترقی ہے، اسی طرح اُمتِ مسلمہ کی عمر جو قیامت تک ہے وہ اس کی ارتقائی سیرِ طہی ہے۔

۹۔ اگر یہ حقیقت تسلیم کر لی جائے کہ کائنات کے بے شمار ستاروں پر لطیف زندگی اور بہشت موجود ہے تو اس صورت میں روحانی سیرِ طہی کی مثال زیادہ قابلِ فہم ہو جائے گی، آپ قرآن پاک میں سورہ اعراف کی آیہٴ چہلم (۴۰) کو خوب غور سے پڑھ لیں، جس میں ستاروں پر بہشت کی موجودگی اور جسمِ لطیف کی سلطنت کا پُر حکمت اشارہ نمایاں ہے،

ترجمہ آیت :-

بیشک جن لوگوں نے ہماری آیات (ہادیٰ برحق) کو جھٹلایا اور ان سے تکبر کیا نہ ان کے لئے آسمان کے دروازے کھولے جائیں گے اور نہ وہ بہشت میں داخل ہونے پائیں گے یہاں تک کہ اُونٹ سوئی کے ناکہ میں ہو کر نکل جائے (۴۰: ۷) اس آیہٴ شریفہ کی عظیم حکمتوں میں سے چند یہ ہیں :-

(الف) یہاں خدا کی آیات سے ہادیٰ زمان مراد ہے جس کو بہت

سے لوگ جھٹلاتے ہیں، کیونکہ وہ تکبر کرتے ہیں، یعنی وہ اس کو بے علم اور خود کو بڑا عالم سمجھتے ہیں۔

(ب) ایسے لوگوں پر آسمانِ روحانیت کے ابواب مفتوح نہیں ہوتے اور نہ وہ بہشت میں داخل ہو سکتے ہیں۔

(ج) اونٹ یہاں بڑائی کی علامت ہے، سوئی امام کی مثالوں میں سے ہے کہ وہ اہل ایمان کے لئے جامہٴ جنت (جسمِ لطیف) تیار کرتا ہے، پس اونٹ کا سوئی کے ناکہ میں ہو کر نکل جانا یہ ہے کہ ہر نیک بخت شخص دعوتِ حق کے لئے اپنی خودی اور بڑائی کو قربان کر دیتا ہے تاکہ اس کی روح کو ذرات بنا کر امام صلوات اللہ علیہ کے باطن اور عالمِ ذر میں داخل کر دیا جائے۔

(د) دعوتِ حق قبول کرنے کے بعد عاجزی بھری ہوئی اطاعت اور علم و عبادت کے نتیجے میں آسمانی سیرھی (معراج) اور فتحِ ابوابِ سماء نصیب ہو جاتی ہے۔

۱۰۔ اے نورِ چشمِ من! بہشت مکانی بھی ہے اور لامکانی بھی، تو کیا سورہٴ اعراف کی آیہ چلم ۴۰ (۷۱ : ۴۰) سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ سائرں پر مکانی بہشت آباد ہے، جہاں جثہٴ ابداعیہ کے لئے ہر گونہ نعمتیں مہیا ہیں؟ یقیناً یہی حقیقت ہے، کیونکہ اس پر قرآن و حدیث اور عقل کی بہت سی دلیلیں ہیں، جیسے سورہٴ ذاریات (۵۱ : ۲۲) میں ارشاد ہے:

وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ۔ اور تمہاری روزی

اور جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ آسمان میں ہے۔ اس کا اطلاق روحانی آسمان پر بھی ہو جاتا ہے۔

۱۱۔ اے دوستانِ عزیز! قرآنِ پاک کی زندہ روح و روحانیت کی معرفت اسماءِ الحسنى کے سوا ممکن ہی نہیں، یعنی اسمِ اعظم ہی ہے جس کے وسیلے سے اہل ایمان عالمِ باطن کا مشاہدہ کر سکتے ہیں، جب حضرت رب کی معرفت ممکن ہے تو پھر قرآن کی معرفت بھی ممکن ہی ہے، لیکن اللہ کو اس کے بزرگ ترین اسم سے اصولی طور پر یاد کرنے کے ساتھ ساتھ علم الیقین کی بھی سخت ضرورت ہے۔

۱۲۔ جب یہ روشن ترین اور فیصلہ کن حقیقت دل نشین ہو گئی کہ رسولِ اکرمؐ کے بعد زمانے کا امامؑ ہی خدا کا اسمِ اعظم ہوا کرتا ہے تو پھر مولائے برحق علیہ السلام کا عطا کردہ اسمِ اکبر آپ کے حق میں امامِ اقدس و اطہر کا نور ہوگا، اور ایک نہ ایک دن یہ نور حدِ قوت سے حدِ فعل میں آئے گا، پھر اس میں سے گونا گون ظہورات و معجزات کا سلسلہ شروع ہو جائے گا، اے عزیزان! آپ میں سے بعض شاید اس حکمت کو جانتے ہوں گے کہ حضرت عیسیٰؑ خدا کا کلمہ (اسم) تھا جو مریم کو برائے ذکر دیا گیا اور آن جناب اللہ کی طرف سے ایک خاص روح کی حیثیت سے تھا (۲: ۱۷۱) اس کا اشارہ یہ ہوا کہ امامِ عالی مقام کی جانب سے عطا شدہ اسمِ اعظم شروع شروع میں ایک لفظ / کلمہ ہوتا ہے مگر بعد میں اس سے روحِ قدسی کا ظہور ہوتا ہے، اور وہ حضرت امامؑ کا

نور اور قرآنِ ناطق ہے، الحمد للہ رب العالمین -  
 ن.ن. (ح. ع. -) ہ -

کراچی

روزِ شنبہ ۲۸ ذی القعدہ ۱۴۱۵ھ - ۲۹ اپریل ۱۹۹۵ء



**Institute for  
 Spiritual Wisdom  
 and  
 Luminous Science**

Knowledge for a united humanity

# قرآن پاک اسمِ اعظم میں

یہ نکتہ روشن حقیقتوں میں سے ہے کہ قرآنِ مقدس کا مقصد و منشا علم و حکمت اور رشد و ہدایت ہے، یعنی قرآنِ مجید دنیا میں اس لئے بھیجا گیا ہے کہ لوگ اس کے ذریعے خدا و رسولؐ اور اولوالامر کی اطاعت کریں، تاکہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہو جس میں جسم و جان کی سلامتی اور دونوں جہان کی صلاح و فلاح پوشیدہ ہے۔

آپ خدا خدای سے سوچیں کہ آیا قرآنِ کلامِ الہی ہونے کی حیثیت سے محدود ہونا چاہئے یا غیر محدود؟ اس سوال کا تسلی بخش جواب آپ کو سورۃ لقمان (۳۱) کی آیت نمبر ۲۷ اور سورۃ کہف (۱۸) کی آیت نمبر ۱۰۹ سے ملے گا، نیز آپ خوب سوچ کر یہ بتائیں کہ جو کچھ خدا تعالیٰ کے پاس ہے آیا وہ کبھی ختم ہو جاتا ہے، مثلاً قرآن جو اس ظاہری دنیا میں نازل ہوا ہے؛ کیا یہ اب اللہ کے حضور میں بالکل اسی طرح موجود نہیں، جیسے یہ ازل میں تھا؛ اس بارے میں قرآنِ کریم کا ارشاد تو یہ ہے کہ جو کچھ انسان کے پاس ہے وہ تو ختم

ہو جاتا ہے ، اور جو کچھ خدا کے پاس ہے وہ باقی رہتا ہے (۱۶/۹۶) ، اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگرچہ قرآنِ مقدس کا نورانی ظہور سب سے پہلے قلمِ الہی کی صورت میں امرِ "کن" سے ہوا ، لیکن اس کے باوجود کلمہ "کن" یعنی امرِ کل میں قرآن کی امری کیفیت و اصلیت ویسی کی ویسی باقی و برقرار تھی ، کیونکہ امرِ باری تعالیٰ ازلی وابدی طور پر ممکنات کا سرچشمہ ہے ، جو اشیائے ممکنہ سے کبھی خالی نہیں ہوتا۔

پھر قلمِ الہی کے ذریعے قرآنِ مجید لوحِ محفوظ میں درج ہوا جیسا کہ اس مقام پر درج ہونا چاہتے ، لیکن کوئی دانشمند ہرگز یہ نہیں کہہ سکتا کہ اب قلمِ قدرت میں قرآن نہیں رہا ، اس وجہ سے کہ وہ لوحِ محفوظ میں نازل ہوا ہے ، اہل دانش کے تصور کے مطابق قلمِ الہی کی ذات میں قرآن بلا کم وکاست اس معنی میں موجود ہے کہ وہ قلمِ عقلی وجود رکھتا ہے ، یعنی وہ عقلِ کلّی ہے ، اور جب عقل کے سرچشمے سے کوئی چیز خارج ہو جاتی ہے تو اس کی کیفیت مادیت کے برعکس ہوتی ہے ، یعنی اس کی جگہ خالی نہیں ہوتی ، بلکہ وہی چیز اصلاً وہاں پر بھی موجود ہوتی ہے ، عقلِ کلّی کی مثال قلم سے اس لئے دی گئی ہے کہ قلم میں لکھنے کی صفات کا جو خزانہ ہے وہ خراج ہوتے ہوتے بھی محم نہیں ہوتا۔ ایک دفعہ قلم سے جو کچھ لکھا جائے وہی اگر چاہیں تو ہزار

بار بھی لکھا جاسکتا ہے، اس مثال سے یہ حقیقت روشن ہوتی کہ قرآن پاک نہ صرف اس ظاہری دنیا میں موجود ہے، بلکہ یہ کلمہ کن، قلم الہی اور لوح محفوظ میں بھی ہے۔

قرآن حکیم کی امری کیفیت و حقیقت اور عقلی وجود کے بیان کے بعد اس کی روحانی تحریر کا ذکر آتا ہے، جو لوح محفوظ میں ہے، اور اس کے لئے سورۃ بروج (۸۵) کی ان دو پر حکمت آیتوں کو پیش نظر رکھنا چاہئے کہ :-

بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَّجِيدٌ ۝۸۱ فِی لَوْحٍ مَّحْفُوظٍ ۝۸۲

بلکہ وہ ایک با عظمت قرآن ہے جو لوح محفوظ میں لکھا ہوا

ہے۔

ظاہر ہے کہ قرآن لوح محفوظ میں روح اور روحانیت کے طور پر درج ہے نہ کہ ظاہری اور مادی تحریر میں، کیونکہ لوح محفوظ نفس کلی ہے، چنانچہ اس مقام پر ہم قرآن کے اس روحانی وجود کو روحانی تحریر بھی کہہ سکتے ہیں، بہر حال یہ حقیقت تو واضح ہو گئی کہ قرآن روحانی طور پر لوح محفوظ میں ہمیشہ کے لئے موجود ہے، جبکہ لوح محفوظ کا مطلب کائناتی روح کا تختہ ہے، جس کے اندر نہ صرف قرآن مجید ہمیشہ کے لئے محفوظ ہے، بلکہ اس میں ہر چیز کی دائمی نگہداشت



کی گئی ہے۔

اگر آپ کو اس امر واقعی کے بارے میں سوال ہو کہ کس طرح قرآنی آیات کا تعلق رُوح میں مکتوب و محفوظ ہیں، تو سورہ علاء کی آیت ۵۳ میں ذرا غور و فکر کیجئے، جس کا مفہوم و مطلب یہ ہے کہ اس وسیع کائنات میں بھی او تقویٰ انسانی میں بھی اللہ تعالیٰ کی آیات پوشیدہ ہیں جن کو عوام الناس دیکھ نہیں سکتے، لیکن اس کے باوجود ایک ایسا وقت بھی آنے والا ہے، کہ اس میں خدا ان کو اپنی یہ نشانیاں دکھا دے گا، اس سے ثابت ہوا کہ کائنات کے ظاہر و باطن میں اور خود انسان کی ذات میں رب کریم کی آیات (نشانی) درج ہیں، مگر خدائی تحریر انسانوں کی تحریر سے بالکل مختلف اور اتہائی اعلیٰ ہے، اور یہ بھی جاننا چاہئے کہ خداوند تعالیٰ کی تمام آیات، خواہ وہ آفاق میں ہوں یا انفس میں، قسماً ان ہیں، اگرچہ وہ آیات نشانیوں کے معنی میں ہوں یا زندہ معجزات کے معنی میں، جبکہ قسماً ان نشانیوں میں بھی ہے اور معجزہ قدرت بھی، یہ ایک واضح ثبوت ہے جو لوح محفوظ میں قرآن مجید کی روحانی تحریر کے بارے میں پیش کیا گیا۔

مزید برآں یہاں پہ ایک عام فہم مثال بھی درج کی جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ جب ایک دانشور کوئی کتاب تصنیف کرتا ہے، تو وہ کتاب زمانہ قدیم کی صورتِ حال کے مطابق بیک وقت کھم سے کھم چار

مقامات پر موجود ہوتی ہے، یعنی دانشور کے دل و دماغ میں بھی قلم میں بھی، دوات میں بھی اور کتاب کے صفحات پر بھی، ہر چند کہ کتاب کی شکل و صورت ان چاروں مراحل میں مختلف ہوتی ہے، چنانچہ کتاب مصنف کے دل و دماغ میں الگ الگ درجات کے افکار و خیالات کی حیثیت سے ہے، قلم میں حروف سے متعلق طرح طرح کی حرکات کی صورت میں ہے، دوات میں نقاطِ علم و حکمت کی وحدت کے طور پر ہے اور صفحات پر معین حروف کی شکل میں پھیلی ہوئی ہے، سو اگر کوئی جلالی فرشتہ کتاب کی تکمیل سے پہلے یا اس کے بعد تو خداوندی کی روشنی میں دانشور کے ذہن و ضمیر پر نظر ڈالے تو اس کو فکری صورت میں وہی کتاب ملے گی جو خارجی طور پر معرض وجود میں آنے والی ہے یا وجود میں آچکی ہے، اسی طرح وہ قلم کی تمام حرکتوں کا بھی روحانی اور علمی مشاہدہ کر کے پوری کتاب کی باتیں بتا سکتا ہے، اور وہ خدا کی آنکھ سے دیکھتے ہوئے سیاہی کے باطن سے بھی کتاب کی ساری تفصیلات پڑھ سکتا ہے، کہ کس طرح نقطہ واحد نے — جو ہر بار دوات سے قلم کی ٹوک پر منتقل ہوتا رہا — اپنے مختلف ظہورات کی بدولت سارے حروف کی تشکیل کی۔

مذکورہ بالا چار صورتوں کے علاوہ دورِ جدید کی ایسی بہت سی

حقیقتیں ہیں، جن کی مدد سے ثابت کیا جاسکتا ہے کہ کوئی بھی کتاب نہ صرف ظاہری اور نمایان تحریر میں موجود ہو سکتی ہے، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اُس کی اور بھی بہت سی صورتیں ہیں، جن میں سے بعض میں وہ بولتی ہے اور بعض میں خاموش ہے، مثلاً گراموفون کو لیجئے جس میں ریکارڈ ہونے کے بعد آپ چاہیں تو کتاب بولتی ہے ورنہ خاموش رہتی ہے، اور اس میں ایک طرح سے محفوظ بھی ہے، ٹیلیفون، وائرلیس اور ریڈیو پر غور کیجئے کہ آیا یہ چیزیں ایک قسم کی کتاب کا کام دے سکتی ہیں یا نہیں؟ ظاہر ہے کہ ٹیپ ریکارڈ بھی کتاب کا کام دیتا ہے، سینما اور ٹیلی وژن تو روحانیت کی زندہ کتاب کی ایک بہترین مثال ہیں، مائیکروفلم اور فیش فلم خود ایک قسم کی خاموش کتاب ہیں، لیکن یہ سب چیزیں بڑی عجیب و غریب ہونے کے باوجود ظاہری، مادی اور دنیاوی ہیں، اور یہ سب کچھ ایسے خام و نامتام انسانوں کی کوششوں کی پیداوار ہے، جو اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کے سامنے بیچ ہیں، تو کیا پھر بھی ہم قلمِ قدرت اور لوحِ محفوظ کو مادی اور انسان کی بنائی ہوئی چیزوں کی طرح عقل و جان کی صفاتِ عالیہ سے عاری سمجھیں؟ یا یہ کہ ہم قلم اور لوح کو دو عظیم فرشتے مانیں، جو عقلِ کلّی اور نفسِ کلّی اور محمد و علی کے نور ہیں؟ سو یہ حقیقت ہے کہ قلم نورِ محمدی کا نام ہے اور

روح محفوظ نُورِ علی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ قلم و لوح اور قدآن کی رُوح و رُوحانیت کے متعلق علم الیقین حاصل کرنے کے لئے مذکورہ بالا مادی مثالوں سے بہت کچھ مدد مل سکتی ہے، لیکن یہاں یہ نکتہ بھی خوب یاد رہے کہ عقل و رُوح کی حقیقت اور مادہ کی کیفیت کے درمیان آسمان زمین کا فرق پایا جاتا ہے، تاہم ظاہر سے باطن میں جانے کے لئے اور ادنیٰ کی مثال سے اعلیٰ کی حقیقت سمجھنے کے لئے یہی ایک راستہ ہے، تاکہ ہم قدآن کی رُوحانیت و نُورانیت کی شناخت کے سلسلے میں علم الیقین سے عین الیقین کی طرف قدم بڑھا سکیں جہاں پر کُل حقیقتوں کا براہِ راست مشاہدہ ہوتا ہے، اور اسی طرح تمام عقلی اور رُوحانی چیزوں کو یقین کی آنکھ سے دیکھنے اور پہچاننے کا نام معرفت ہے، جس میں قرآن کے تمام درجات کی معرفت بھی شامل ہے، لیکن بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ صرف خُدا ہی کی پہچان معرفت ہے، اگر یہ بات مان لی جاتے تو اس کے معنی یوں ہوں گے کہ ازل، ابد، امکان، مکان، لا زمان، زمان، قلم، لوح، رُوح، جنت، دوزخ اور کائنات و موجودات کی بقا و فنا کا مشاہدہ اور پہچان خُدا کے دیدار اور معرفت سے زیادہ مشکل ہے، حالانکہ یہ تصور درست نہیں اور

درست یہی ہے جیسا کہ بتایا گیا کہ تمام معقولات کو عین یقین سے دیکھنے اور پہچاننے کا نام معرفت ہے۔

سورۃ زُحُف کی آیت نمبر ۳۳ وغیرہ کا ارشاد ہے کہ :  
 اِنَّا جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۳۳  
 وَاِنَّهُۥ فِیۡ اُمَّمِ الْکَلْبِ لِذِیۡنَا لَعَلَّیۡ حَلِیْمٌ ۴۳/۴

ہم نے اس کو عربی زبان کا قرآن بنایا ہے تاکہ (اے عرب) تم (آسانی سے) سمجھ لو اور وہ ہمارے پاس اُمّ الکتاب میں بڑا عالیقدر اور حکمت والا ہے۔ اس کے معنی یہ ہوتے کہ قرآن بہاں اُمّ الکتاب میں خدا کے حضور میں ہے وہاں اس سے بھی زیادہ عالی شان اور پر حکمت ہے، یعنی کہ وہ روحانی تحریر اور خدائی زبان میں ہے جو حکمتی زبان ہے، بالفاظِ دیگر وہ زندہ اور گویندہ ہے، اور قرآن جس سر زمین میں نازل ہوا وہاں عربی زبان میں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا پہلے سے یہی قانون رہا ہے کہ اُس نے ہر پیغمبر کو اس کی قوم کی زبان میں بھیجا ہے (۱۴/۴) چنانچہ ظاہری اعتبار سے زمانہٴ رسول کے عرب مسلمانوں کو مسلم قوم کی مرکز کی حیثیت حاصل ہے اور تمام مسلمان ایک ہی قوم ہیں اور ان کی قومی اور ملی لسان عربی ہے۔ حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ اُمّ الکتاب ظاہر میں سورۃ فاتحہ کا نام ہے اور باطن میں اُمّ الکتاب علی ہیں اور

یہ دونوں حقیقتیں اپنی اپنی جگہ پر بجا اور صحیح و درست ہیں، لیکن یہاں یہ سوال ہو سکتا ہے کہ سورۃ الحمد کے احاطے میں جس قدر الفاظ سموئے ہیں وہ سب کے سب صرف اسی سورہ کے لئے ہیں اور باقی قرآن کا حصہ اس کے بعد سینکڑوں صفحات پر پھیلا ہوا ہے، تو یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم سورۃ فاتحہ میں تمام قرآن سمو جانے کا تصور کریں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح کسی درخت کے پھل کی گٹھلی میں مغز ہوتا ہے اور مغز میں ایک عظیم درخت پیدا کر دینے کی صلاحیت پنہان ہوتی ہے، اسی طرح اُمّ الکتاب (سورۃ فاتحہ) میں معنوی طور پر پورا قرآن پوشیدہ ہے۔

نیز جس طرح سورۃ بقرہ کی آیت نمبر ۲۶۱ کی مثال ہے کہ ایک ہی دانہ گندم سے سات خوشے اور ہر خوشہ میں سو دانے پیدا ہوتے ہیں، اور اس حساب سے ایک ہی فصل میں ایک کے سات سو دانے بنتے ہیں، اور نتیجے کے طور پر اس میں اتنے اضافے کی گنجائش ہے کہ دنیا بھر کی کاشت کے لئے بیج کافی ہو جائیں، مگر اس کے لئے وقت چاہئے، اسی طرح لیکن کسی تاخیر کے بغیر اُمّ الکتاب کے معنی میں ایک ساتھ تمام قرآن کے معانی سموئے ہوئے ہوتے ہیں۔

یاد رہے کہ سورۃ فاتحہ کے الفاظ اور مطالب اتنے جامع اور

ایسے ہمہ گیر ہیں کہ اس میں قرآن کی ساری حقیقتیں اور حکمتیں سموتی ہوتی ہیں، اور یہ اللہ تعالیٰ کی سُنّت و عادت ہے کہ وہ اپنے کمالِ قُدْرَت سے ایک پوری کائنات کو ایک انتہائی چھوٹی سی چیز میں سمو دیتا ہے اور پھر چھوٹی سی چیز کو عالم کی بے پناہ وسعتوں کے برابر پھیلا دیتا ہے جیسا کہ وہ ہمیشہ سے ”کُن“ کے ایک ہی کلمے سے پوری کائنات کو پیدا کرتا ہے اور پھر تمام کائنات و موجودات کو ایک لطیف گوہر بنا کر اسی کلمہ ”کُن“ میں سمو دیتا ہے (۶/۷۳)۔

یہاں تک اس موضوع کے سلسلے میں جو حقائق و معارف باہر ہوتے، اُن سے صاف صاف ظاہر ہے کہ کلامِ الہی لا محدود ہے، اور اس کے کئی سرچشمے ہیں، چنانچہ قرآن کی امری کیفیت کلمہ ”کُن“ میں ہے، اس کی نورانی صورت اور عقلی وجود قلمِ الہی میں ہے، وہ روحانی طور پر لوحِ محفوظ میں ہے، جو نفسِ کلّی ہے، اس کا معنوی مغز اُمّ الکتاب میں ہے اور قرآن اپنی تنزیلی شکل میں جیسا کہ ہونا چاہتے دُنیا میں ظاہر ہے، اور یہ راز سوائے اہل حقیقت کے اور کوئی نہیں جانتا کہ امامِ مقیم حضرت مولانا ابوبالغ علیہ السلام نے آنحضرت کو اسمِ اعظم کی تعلیم دی تھی، اور اسی ذریعے سے آنحضرت اللہ تعالیٰ کا خصوصی ذکر کر لیا کرتے تھے، جس کے نتیجے میں آپ

پر قرآن نازل ہوا جو شروع شروع میں قلم، لوح، اسرافیل، میکائیل اور جبرائیل کے توسط سے تھا۔

ہم اوپر بتا چکے ہیں کہ ظاہر میں سورۃ فاتحہ اُمّ الکتاب ہے اور باطن میں مولانا مرتضیٰ علی علیہ السلام اُمّ الکتاب ہیں، کیونکہ امام حسین بھی اور لوح محفوظ بھی وہی ہیں، جبکہ نور نبوت عقیل مکی ہے اور نور امامت نفس مکی، اور جبکہ نور محمد عرش عظیم ہے اور نور علی گریستی قدیم، پس معلوم ہوا کہ پروردگار عالم نے نور محمدی کے قلم سے نور علی کی لوح محفوظ پر قرآن مجید ثبت کر دیا ہے، پھر قرآن بتدریج تنزیل و تاویل کی صورت میں آنحضرتؐ کی شخصیت پر نازل ہوا اور آنحضرتؐ نے اسمِ اعظم کی تعلیم کے ذریعے سے قرآن کی روح اور روحانیت یعنی عملی تاویل کی حکمتوں کو اپنے برحق شاہین مولا علیؑ کے سپرد کر دی، اور یہ امر عظیم سلسلہ امامت میں نسلًا بعد نسل جاری و باقی رہا، یعنی ہر امام نے اپنے جانشین امام کو اسمِ اعظم کے توسط سے قرآن کی روح (نور) روحانیت اور انیت اور عملی تاویل سونپ دی، یہ سنت نہ صرف حضور انورؐ اور آپ کے جانشین ائمہ اطہار کی ہے، بلکہ اس سے پہلے حضرت ابراہیمؑ نے بھی اسی سنت کے مطابق عمل کیا تھا چنانچہ



ارشاد ہے :-

وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۲۸﴾

اور ابراہیم نے اُس (رُوحانیت و امامت) کو اپنی اولاد میں باقی رہنے والا کلمہ (یعنی اسمِ اعظم) قرار دیا تاکہ لوگ (اسمِ اعظم کی وجہ سے) رجوع کرتے رہیں، یہی قانونِ خدا تعالیٰ کی شدت ہے جو تمام پیغمبروں کے لئے مقرر ہے جیسا کہ فرمایا گیا ہے کہ :-

اور جبکہ اللہ تعالیٰ نے عہد کیا انبیاء سے کہ جو کچھ میں تم کو کتاب اور حکمت دوں پھر تمہارے پاس کوئی پیغمبر آوے جو تصدیق کرنیوالا ہوگا اس کا جو تمہارے پاس ہے تو تم ضرور اُس رسول پر باور کرنا اور اس کی حمد و کثرت کرنا کہ آیا تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا عہد قبول کیا وہ بولے ہم نے اقرار کیا ارشاد فرمایا پھر تم گواہ رہنا اور میں اس پر تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں ۳/۸۱ -

اس ارشادِ مبارک سے ایک طرف تو اس حقیقت کا پتہ چلتا ہے کہ دورِ نبوت میں انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ کئی طور پر پیوستہ اور کسی انقطاع کے بغیر چلے آیا تھا اور دوسری طرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر پیغمبر نے اپنے بعد کے پیغمبر پر نہ صرف باور کیا بلکہ اسمِ اعظم کی تعلیم دے کہ ہر طرح سے اس کی مدد بھی کی، اور اسی مقصد کے لئے خداوند تعالیٰ

نے انبیاء علیہم السلام سے عہد لیا تھا۔

پیغمبروں کو اسی اسمِ اعظم کے وسیلے سے نور و نورانیت اور کتاب و حکمت حاصل ہوتی تھی، کیونکہ خدائے بزرگ و برتر اپنے اچھے اچھے ناموں کے وسیلے سے سُنا ہے اور عقل و رُوح کی تمام برکتیں اللہ تعالیٰ کے اسمِ اعظم میں پوشیدہ ہیں، جیسا کہ فرمایا گیا ہے کہ :-

تَبَارَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ۵۵/۷۸

بڑا یا برکت نام ہے آپ کے پروردگار کا جو جلالت والا اور کرامت والا ہے۔ جاننا چاہئے کہ یہاں رب کے نام سے اسمِ اعظم مراد ہے، اور اس کے بابرکت ہونے کے یہ معنی ہیں کہ وہ تمام ظاہری و باطنی برکتیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوتی ہیں اسمِ اعظم کے خزانوں سے ملا کرتی ہیں، اور انہی برکتوں میں حقیقی مومنین کے لئے آسمانی کتاب کا علم و حکمت بھی ہے، جس کے معنی ہیں قرآن کی پاک رُوح اور رُوحانیت، یعنی عملی تاویل، پچھانچہ سورہ قمر (۵۴) کی آیت نبویا، نمبر ۲۲، نمبر ۳۲ اور نمبر ۴ میں اللہ تعالیٰ کا تاکیدِ فرمان ہے کہ: **وَلَقَدْ كَيْسَرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَكِّبٍ** اور ہم نے قرآن کو ذکر و نصیحت کے لئے آسان کر دیا ہے سو کوئی یاد کرنے والا ہے۔ قرآن کو ذکر و نصیحت

کے لئے آسان بنا دینا یہ ہے کہ وہ مختصر سے مختصر ہو کہ اسمِ اعظم میں سمویا  
 ہوا ہے تاکہ حقیقی مومنین باسانی اس کا ذکر کر لیا کریں، اور نتیجے کے  
 طور پر اس کی روحانیت سے قدآن کی زندہ اور منہ بولی حقیقتیں سامنے  
 آئیں اور یہی قدآن کی حکمت اور عملی تاویل ہے۔

حق تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو جو علمِ اسماء عطا کیا تھا، وہ دراصل  
 اسمِ اعظم کے نتائج و ثمرات کی شکل میں تھا، اور آدم علیہ السلام نے  
 ناموں کے متعلق فرشتوں کو جو آگہی دی تھی وہ بھی کوئی ظاہری تعلیم  
 نہیں تھی بلکہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے بزرگ ہی کی تعلیم تھی، جو حضرت  
 آدم کی آسمانی کتاب کی حیثیت رکھتی ہے۔

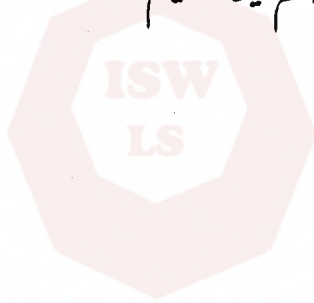
دورِ نبوت میں زمانے کا پیغمبر ہی خدا تعالیٰ کے نورانی اسمِ اعظم  
 کی حیثیت سے ہوتا ہے، اور دورِ امامت میں امام وقت یہی مرتبہ رکھتا  
 ہے، اور حضراتِ انبیاء و ائمہ علیہم السلام میں سے ہر ایک اپنے وقت  
 کے بعض حقیقی مومنوں کو کوئی لفظی اسمِ اعظم عطا کر دیتا ہے، اور اس  
 سلسلے میں جب ایسے مومنین کی ترقی اور کامیابی ہوتی ہے تو انہیں  
 روحانیت کے مختلف ذرائع سے قدآنی علم و حکمت کا فیضان حاصل  
 ہونے لگتا ہے، بزرگانِ دین نے تھاق و معارف کے جو موتی بھیر  
 دتے ہیں، وہ اسی اسمِ اعظم کی بدولت ہیں۔

اسمِ اعظمِ خدا و رسولؐ اور امامِ زمان کا نور ہے، یہی نورِ قرآن کی روح اور روشنی ہے، یہی روحِ نورِ ہدایت اور نورِ ایمان ہے، یہی مومنین کا نور ہے، اور یہی نورِ سراجِ مینر (یعنی روشن چراغ) ہے اسی سے اہلِ ایمان کی دُنیا تے دل روشن ہو جاتی ہے اور یہی نورِ کائنات کی بلندی و پستی کی روشنی ہے۔

جب اللہ تعالیٰ کے اسمِ بزرگ کی خصوصی عبادت و ریاضت میں کوئی بندۂ مومن اعلیٰ درجے پر کامیابی حاصل کرتا ہے، تو اس کے لئے رحمتِ خداوندی کے ابواب کُشادہ ہو جاتے ہیں، مومن سے روح اور روحانیت کی مخاطبت ہوتی ہے ایک ایسی بے مثال کائنات جو روحانیت اور نورانیت سے معمور ہے، جس کا ہر ذرہ اپنی ہزار گونہ جلوہ خانی اور بے پناہ ضووفشانی سے دیدۂ دل کو خیرہ کر دیتی ہے، وہ شب و روز مومن کے سامنے رہتی ہے، وہ اس ظاہری اور مادی دُنیا کے برعکس ہے، کیونکہ اس کے چار عناصر عقل و جان اور تنزیل و تاویل کے ہیں، وہ ایک ایسی دُنیا ہے جس کی ہر چیز ایک بولتی کتاب کی حیثیت رکھتی ہے، کیوں نہ ہو جبکہ وہ عالمِ روحانیت اور اسمِ اعظم کی نورانیت ہے، اور جبکہ وہ قدر آنی علم و حکمت کی جنت ہے۔

انبیاء و ائمہ علیہم السلام کے نقشِ قدم پر مومن کی روحانی ترقی،

جو اسمِ اعظم کے وسیلے سے ہو سکتی ہے، اس موضوع کی تفصیلات کے مطابق ہے جو بیان کی گئیں، لیکن میں نہیں کہہ سکتا ہوں کہ مجھ سے قرآنِ مقدس اور اسمِ اعظم جیسی دو عظیم الشان حقیقتوں کا سچا تعریف و توصیف ادا ہو سکا۔



**Institute for  
Spiritual Wisdom  
and  
Luminous Science**  
Knowledge for a united humanity

# ریکارڈ

جنوری ۱۹۷۸ء

جلد ۲، نمبر ۷

کینیڈین اسمبلی

نیوز لیٹر

نیوز (اسٹاف رپورٹر)

تین سو افراد نے قرآن حکیم کے موضوع پر منعقد سیمینار میں حاضری دی

امامت کا آغاز حضرت علیؑ کے زمانے سے قبل ہوا اور پہلے امام حضرت بنیہ تھے۔ علامہ نصیر الدین نصیر ہونزائی نے یہ بات تاویلات قرآن پر منعقد ایک سیمینار میں کہی۔ جس کا اہتمام ۲۴ دسمبر تا ۳۱ دسمبر ۱۹۷۷ء کے اختتام ہفتہ کے دوران چیف جماعت خانے میں کیا گیا تھا۔

اس سیمینار میں اسمبلی نقطہ نظر سے قرآن حکیم کا ایک جائزہ پیش کیا گیا۔ پروگرام کو اسمبلیہ ایسوسی ایشن کی ایسٹرن کینیڈا کی ریجنل کمیٹی نے ترتیب دیا تھا۔ اس سیمینار نے بہت سے حاضرین کو اپنا گرویدہ کر لیا ہے۔ حاضرین نے علامہ صاحب سے قرآن حکیم اور دین و ایمان سے متعلق سوالات بھی پوچھے۔

وہ مترجم اردو میں گفتگو کرتے ہیں۔ اپنی گفتگو کے دوران انہوں نے چارٹ اور ڈائیگرام بھی استعمال کئے اور وضاحت فرمائی کہ کس طرح قرآن حکیم کی ہر آیت اشارہ کرتی ہے کہ نبوت اور امامت آپس میں ملے ہوئے

ہیں اور امامت کا آغاز حضرت آدمؑ سے بھی پہلے ہوا تھا۔ جنہوں نے اس سیمینار میں حاضری دی وہ ان عالی شان باتوں سے مجذوب ہو گئے۔ وہ چھپن سالہ ایک اسمعیلی عالم کو انتہائی محویت کے ساتھ سنتے رہے۔ وہ ایک واحد اسمعیلی عالم ہیں جنہیں ”علامہ“ کا خطاب حاصل ہے۔ کیونکہ وہ قرآن شریف کے باطنی مطالب کی وضاحت کرتے ہیں۔

علامہ صاحب کے ان تمام لیکچروں کا اردو ترجمہ مونٹریال کے ایک الواعظ فقیر محمد ہونزائی صاحب نے کیا۔

بعد ازاں امامت اور عبادت کے موضوعات پر چیف (Chief) اور دنڈاس ویسٹ (Dundas West) کے جماعت خانوں میں مذاکرات بھی ہوئے۔ افراد جماعت نے علامہ صاحب کے لیکچروں کو بہت ہی دلچسپ پایا اور اس موقع کو ہاتھ سے جانے نہ دیں (NOT TO BE MISSED) خیال کیا۔ کیونکہ علامہ صاحب امامت سے متعلق بہت سے نئے تصورات پر گفتگو کرتے ہیں۔

کینیڈین اسمعیلی کا رسالہ اس نامور شخصیت کا ایک خصوصی انٹرویو جو آپ سے موجودہ دورے کے دوران لیا گیا ہے، اپنے آنے والے جریدے نوروز ۱۹۷۸ء میں شائع کرے گا۔ اس وقت علامہ صاحب اسمعیلیہ ایسوسی ایشن کے مہمان ہیں۔ آپ ایسٹرن کینیڈا کے بہت سے جماعتی مراکز کا دورہ کریں گے۔ اور جماعت کے افراد کے سوالات کے جوابات دیتے ہوئے انتہائی خوشی محسوس کرتے ہیں۔ مترجم :- شاہدہ محی الدین

علامہ نصیر الدین نصیر ہونزائی صاحب سے شرقی کینیڈا

کی جماعت کے لیکچر ٹور (دسمبر ۱۹۷۷ء - مارچ ۱۹۷۸ء)

کے دوران لئے جانے والے انٹرویو کا عکس

اُردو ترجمہ: شہناز سلیم

انٹرویو: کینیڈین اسمعیلی کمیونل پیریاڈیکل کے جناب

علاؤ الدین دامجی

شرقی کینیڈا کی جماعت کے لیکچر ٹور کے حالیہ پروگرام کے لئے کینیڈا تشریف لانے پر کینیڈین اسمعیلی کمیونل پیریاڈیکل کو علامہ نصیر الدین نصیر ہونزائی صاحب سے انٹرویو لینے کا شرف حاصل ہوا۔ علامہ صاحب جیسا کہ ان کے اس خطاب (کے مفہوم) سے ظاہر ہے ایک بڑے عالم دین ہیں۔ آپ ایک پرنسپل مصنف اور شاعر بھی ہیں۔ جہاں تک ان کی کتب کا تعلق ہے ممکن ہے کہ مستقبل میں یہ تخلیقات



ہمارے ماضی کے چند عظیم داعیوں کی تصانیف کی طرح قابلِ احترام قرار پائیں۔ اسلام اور اصولِ اسلام کی وسیع و عمیق سمجھ پر جامعہ میکگل کینیڈا کے کئی تعلیماتِ اسلامی کے اساتذہ پہلے ہی ان کو خراجِ تحسین پیش کر چکے ہیں۔

علامہ صاحب نوزبانوں یعنی عربی، فارسی، ترکی، اردو، سنہا، بروسکی، چترالی، پنجابی اور انگریزی میں گفتگو کر سکتے ہیں۔ آپ نے اردو اور فارسی کی بنیاد پر ہونزہ کی زبان بروسکی کے حروفِ تہجی بھی تخلیق کئے ہیں۔ یہ حروفِ تہجی اردو کے اصل حروفِ تہجی کے علاوہ آٹھ نائند حروف پر مشتمل ہیں۔

علامہ صاحب ہمیشہ اپنے روایتی لباس (شلوار کُرتا اور ٹوپی) میں بلبوس نظر آتے ہیں۔ یہ لباس ان کو ایک عالمِ دین کی حیثیت سے ممتاز کرتا ہے۔ ان کے لباس کے بارے میں استفسار کرنے پر انہوں نے فرمایا ”میں اس مسئلے پر کافی غور و فکر کر رہا تھا کہ اپنے شمالی امریکہ کے دورے پر مجھے اپنا یہ روایتی لباس پہننا چاہئے یا نہیں۔ لیکن میرے فرزند اور بیگم نے اصرار کیا کہ میں یہی لباس پہنوں لہذا میں اسی پر قائم ہوں“ بیشک علامہ صاحب کا لباس ان کے علم کی طرح ان کی شخصیت کو بھی نمایاں کرتا ہے۔

علامہ صاحب کی شخصیت کے بارے میں جو بات ہمیں سب سے زیادہ متاثر کرتی ہے وہ ان کی فطرت کی سادگی ہے۔ وہ مجھے اپنے

کمرے تک لے گئے جہاں ایک چھوٹی سی میز، جس پر ان کے کاغذات اور کتابیں رکھی ہوئی تھیں اور ایک کرسی پر شتمل ان کا دفتر بھی موجود تھا۔ انہوں نے اپنی میز کو صاف کیا اور اس کے پیچھے کی طرف (کرسی پر) براجمان ہو گئے۔ اب سوالات کے جوابات کے لئے پوری تیاری گویا مکمل ہو چکی تھی۔ ان کے وجود کی گر مجبوشی میں کوئی بھی انسان انتہائی اطمینان محسوس کر سکتا ہے۔ ان کی شخصیت جو کسی بھی قسم کے منفی انسانی جذبات سے اس قدر پاک ہے کہ آپ کے جاننے سے پہلے ہی وہ آپ کا اعتماد حاصل کر چکے ہوتے ہیں اور نتیجتاً آپ ان کے بارے میں زیادہ معلومات حاصل کرنے کے خواہشمند ہو جاتے ہیں۔

علامہ صاحب کے لئے کوئی بھی سوال مشکل یا ناممکن نہیں ہے کچھ ہی دیر میں ان کا کمرہ علم حق کے متلاشی نوجوانوں سے بھر گیا۔ ان میں سے کچھ یونیورسٹی کے زیر تعلیم طلبا ہیں جو اپنے مسائل اور سوالات کے جوابات پانے کے لئے ہر وقت حتیٰ کہ دورانِ سفر بھی علامہ صاحب کے ساتھ ساتھ لگے رہتے ہیں۔ ان سوالات کے جوابات دے کر علامہ صاحب کو بہت ہی خصوصی خوشی حاصل ہوتی ہے جیسا کہ انہوں نے خوشی سے کہا: "مانٹریال میں، میں کئی یونیورسٹی کے طلباء سے ملا جن کو دین کے بنیادی عقائد و تصورات کے لئے میں نے سائنسی خطوط پر جواہات مہیا کر کے دین کی حقانیت کا قائل کیا اور وہ طلباء ان جوابات سے بے حد مسرور اور مطمئن ہوئے۔"

سوال ۱ : علامہ صاحب! یہ کہا جاتا ہے کہ آپ ایک ایسے خاندان کے چشم و چراغ ہیں جس کے لئے خدمتِ امام ایک قدیم روایت رہی ہے۔ کیا آپ ہمارے قارئین کو اپنے پس منظر کے بارے میں کچھ بتانا پسند کریں گے؟

علامہ صاحب: جی ہاں یہ درست ہے، میرے دادا جان جماعتی معاملات کی خبر گیری کے لئے پیر کے نمائندے یعنی خلیفہ مقرر کئے گئے تھے۔ یہ عہدہ جو ایک موروثی عہدہ ہے پھیلی تین نسلوں سے ہمارے خاندان میں رہا ہے۔ میں مئی ۱۹۱۶ء میں حیدرآباد ہونہرہ میں پیدا ہوا۔ مذہب سے میری دلچسپی بہت چھوٹی عمر ہی سے رہی ہے۔ میں نے تیسری اور چوتھی جماعت ایک ہی سال میں مکمل کی اور جو کچھ علم میں نے حاصل کیا ہے وہ کسی رسمی تربیت کی بجائے ذاتی مطالعے کا ثمرہ ہے۔

بائیس سال کی عمر میں میں فوج میں بھرتی ہوا اور فوجی ملازمت کا یہ عرصہ سات سال بعد ۱۹۴۶ء میں دوسری جنگِ عظیم کے خاتمے پر انجام پذیر ہوا اور ۱۹۴۶ء میں ڈائمنڈ جوبلی کی تقریبات کے موقع پر میں بمبئی پہنچا۔

سوال ۲ : کیا یہ درست ہے کہ آپ کسی دینی مشن پر چین تشریف لے گئے تھے؟ کیا آپ کو حضرت امام سلطان محمد شاہ نے

وہاں بھیجا تھا؟

علامہ صاحب: جی ہاں میں اپنی جماعت کے ایک لیڈر کے ساتھ  
بیشیتِ نائبِ چین گیا تھا جنہیں امام سلطان محمد شاہ  
کی جانب سے چین جا کر مقامی جماعت کے لئے جماعت  
خانے اور مذہبی اسکول قائم کرنے کا کام سونپا گیا  
تھا۔ بہر حال (حالات کچھ ایسے ہوئے کہ) انجام کار وہ  
تمام کام میرے کندھوں پر آن پڑا۔

سوال ۳ :- علامہ صاحب یہ بتائیں کہ ہماری جماعت چین کے کس  
حصے میں قیام پذیر ہے۔ ان کی تعداد کیا ہے اور ان کا  
تعلق کس قوم سے ہے؟

علامہ صاحب: ہماری جماعت چینی صوبے سنکیانگ کے دو شہروں،  
یارقند اور رلیقول میں تقریباً پچاس ہزار (۵۰۰۰۰)  
کی تعداد میں آباد ہے۔ جماعت کا کچھ حصہ بدخشان سے  
ہجرت کر کے چین آنے والوں پر مشتمل ہے جبکہ اکثر افراد  
چینی ترکستان سے تعلق رکھنے والے ترک ہیں۔

سوال ۴ :- آپ چین میں کتنا عرصہ قیام پذیر رہے کیا آپ اپنا مقصد  
پانے میں کامیاب ہوئے؟

علامہ صاحب: میں ۱۹۲۹ سے ۱۹۵۴ تک تقریباً چھ سال چین میں رہا۔  
قبل ۱۹۴۹ سے کئی سال پیشتر ۱۹۲۲ میں پیر سبز علی کوایک

ایسے ہی دینی مشن پر چین بھیجا گیا تھا مگر اس وقت کے مشکل حالات کے پیش نظر متوقع کامیابی حاصل نہ ہو سکی تھی۔ ۱۹۴۹ء میں جب ہم وہاں پہنچے تو اس وقت چین کے اسمعیلی دینی معاملات میں تقیہ کرتے تھے۔

میرے چین پہنچنے کے ایک سال ہی کے دوران ہم نے کافی جماعت خانے قائم کرائے اور اسی کے ساتھ اسمعیلی اسلام کے دوسرے فرقوں اور عوام میں اسمعیلی مسلم کی حیثیت سے پہچانے جانے لگے۔

سوال ۵: کیا یہ درست ہے کہ اس شاندار کامیابی کے ساتھ ساتھ ہمارے آپ کو سخت مسائل کا بھی سامنا کرنا پڑا؟

علامہ صاحب: جی ہاں! یہ درست ہے۔ جب میری سرگرمیوں کا علم غیر اسمعیلیوں کو ہوا تو انہوں نے اسے ناپسند کیا اور نتیجتاً میری نگرانی کی جانے لگی۔ مگر آخر کار مجھے تمام جھوٹے الزامات سے بری الذمہ قرار دیا گیا اور اپنا مشن پورا کرنے کے بعد مجھے چین چھوڑنے کی اجازت مل گئی۔

سوال ۶: کیا اس مشکل تجربے سے آپ کی زندگی میں تلخی پیدا ہوئی؟

علامہ صاحب: جی نہیں، بالکل نہیں۔ اس کے برعکس اس دوران میں نے ارفع ترین روحانی تجربے کو حاصل کیا۔ لہذا آپ باور کر سکتے ہیں کہ بعض اوقات دنیوی مصائب و آلام بہت ہی مفید

ثابت ہونے میں خصوصاً اس شخص کے لئے جو حق کا متلاشی ہو۔  
سوال ۷ :- علامہ صاحب یہ بتائیں کہ چین کی جماعت کے لئے آپ نے اور  
کونسی خدمت انجام دی؟

علامہ صاحب :- میں نے چین کی جماعت کے لئے مناقب یا مذہبی نظمیں بھی  
تحریر کی ہیں جن میں امام کی تعریف و توصیف اور عظمت و  
بزرگی کا بیان ہے۔ یہ مناقب آج تک چین کی جماعت میں  
پڑھی جاتی ہیں۔

سوال ۸ :- کیا یہ درست ہے کہ آپ کی کسی ہوئی کچھ نظمیں مولانا حاضر  
امام نے بطور گناہ قبول کی ہیں؟

(اس سوال کے جواب پر علامہ صاحب نے مولانا حاضر امام  
کے مورخہ ۱۹، اکتوبر ۱۹۶۱ کے خط کی اصل کاپی ہمیں دکھائی  
جس میں حاضر امام نے ان کے کام کو گناہ تک کی حیثیت سے  
قبول کیا ہے، یہ گناہ بروہی زبان میں ہیں جو گلگت، ہونڈہ  
اور اردگرد کے دیگر علاقوں میں پڑھے جاتے ہیں۔

سوال ۹ :- علامہ صاحب یہ بتائیے کہ ان گناہوں میں کن باتوں کا تذکرہ  
کیا گیا ہے؟

علامہ صاحب :- بنیادی طور پر یہ میرے روحانی تجربات کا بیان ہے یہ میرے  
دورہ چین سے قبل اور دورہ چین کے بعد کے حالات پر مشتمل  
ہیں۔ یہ گناہ ۱۹۶۱ میں مکمل ہو کر نغمہ اسرافیل کے نام سے

شائع ہوئے۔

سوال ۱۱:۔ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ اسمعیلی کمیونٹی کے پہلے سب سے زیادہ پُر نویس ادیب ہیں۔ کیا آپ اس بارے میں کوئی تبصرہ کرنا پسند فرمائیں گے؟

علامہ صاحب:۔ جی ہاں یہ درست ہے۔ آج تک میں نے کوئی ۶۵ کتابیں لکھی ہیں۔ ان میں سے چند البتہ پیر ناصر خسرو کی تصانیف کے ترجمے ہیں۔ مثال کے طور پر ان میں سے ایک معروف کتاب وجہ دین یعنی ”دین کا چہرہ“ تھی۔ میری دیگر تصانیف سے چند جو مجھ کو اس وقت یاد ہیں وہ ذکرِ الہی، سلسلہ نورِ امامت اور میزان الحقائق ہیں۔

سوال ۱۲:۔ کیا یہ درست ہے کہ میزان الحقائق کا انگریزی ترجمہ SCALE OF REALITIES یعنی ”حقائق کا میزان“ ہے۔

علامہ صاحب:۔ جی ہاں، یہ درست ہے۔

سوال ۱۳:۔ مغرب میں اس وقت سیارہ زمین کے باہر ذمی فہم مخلوق کی موجودگی کے بارے میں کافی قیاس آرائیاں ہیں۔ کیا یہ حقیقت ہے یا محض کسی کی خیال آرائی ہے؟

علامہ صاحب:۔ اس میں یقیناً سچائی کا کوئی عنصر ضرور ہے۔

سوال ۱۴:۔ اس طرح گویا آپ اس نظریے کی تائید کرتے ہیں کہ

سیارہ زمین کے علاوہ دوسرے سیاروں پر ذی فہم مخلوق کی زندگی کے آثار موجود ہیں۔

علامہ صاحب: جی ہاں! یقینی طور پر ایسا ہی ہے۔

سوال ۱۴:- کیا آپ ہمیں اس زندگی کی نوعیت کے بارے میں کچھ بتائیں گے؟

علامہ صاحب: وہ مخلوق ہم سے کئی لحاظ سے مختلف ہے ان میں خون نہیں ہوتا اور نہ ہی ان کو ہماری طرح سانس لینے کی ضرورت ہوتی ہے اور ان کے کھانے پینے کی عادات بھی ہم سے بہت مختلف ہوتی ہیں۔

سوال ۱۵:- یہ انکشاف میرے لئے اور یقیناً کئی قارئین کے لئے بھی انتہائی حیرت ناک ہے کیونکہ ہم نے اپنے روحانی امور کو کما حقہ اہمیت نہیں دی ہے۔

علامہ صاحب: اس کے لئے آپ کو اپنی روحانی زندگی کو منظم کرنے کا کام شروع کرنا چاہئے کیونکہ میری معلومات کے مطابق عنقریب اس دنیا میں ایک روحانی انقلاب آنے والا ہے تاہم آپ کو یہ باور کرنا چاہئے کہ جس روحانی انقلاب کی میں بات کر رہا ہوں وہ ایک طویل عرصے کا عمل ہے جس کا دورانیہ ایک سال سے ایک سو سال تک پھیلا ہوا ہو سکتا ہے۔ میرا یقین ہے کہ اس انقلاب کا آغاز ہو چکا ہے۔ اگر آپ نے



کتاب *Psychic Discovery BEHIND- IRON CURTAIN* پڑھی ہے تو آپ یقیناً میری باتوں کا مطلب سمجھ رہے ہوں گے۔ روحانی انقلاب کے ظہور کی بات کوئی عجیب چیز نہیں بلکہ یہ سب کچھ خدا کی منشا کے مطابق ہے جیسا کہ قرآن کی سورہ نمبر ۵۳ کی آیت ۴۱ میں خدا فرماتا ہے کہ ”غشقرب ہم ان کو اپنی نشانیاں دکھا دیں گے، آفاق میں اور انفس میں بھی یہاں تک کہ ان کو یقین ہو جائے کہ وہ خدا حق ہے“ اس انقلاب کے ظہور کے (دقت روحانی طور پر حقیقی معنی میں زندہ لوگ روحانی زندگی نظر انداز کرنے والے لوگوں کی بنسبت زیادہ مستفیض ہو سکیں گے۔

سوال ۱۶ :- آپ کے خیال میں روحانی ترقی کے کیا فوائد ہیں؟  
 علامہ صاحب :- اس کے فوائد دو گونہ ہیں۔ ذاتی سطح پر روحانی ترقی کا مطلب حصولِ علم ہے اور علم ہی میں نجات مضمحل ہے جبکہ قومی سطح پر روحانی ترقی ایک مومن کو افرادِ جماعت کی خدمت کرنے کے قابل بناتی ہے۔ مثال کے طور پر اسی روحانی ترقی کی بدولت میں کئی لوگوں کو روحانی ترقی کی امکانات کی طرف توجہ دلاتے ہوئے ان کو اپنی روحانی ترقی کی کوشش کرنے کے لئے آمادہ کر چکا ہوں۔

سوال ۱۷ :- آپ کی جملہ تصانیف سے آپ اپنی کس کتاب کو بہترین قرار

دیتے ہیں؟

علامہ صاحب: رموزِ روحانی کو، کیونکہ یہ زیادہ تر روحانی رازوں کے بارے میں ہے۔

سوال ۱۸: کیا یہ درست ہے کہ کتاب "ایشیا نامہ" آپ کے ذاتی المیہ تجربے کی پیداوار ہے؟

علامہ صاحب: جی ہاں یہ درست ہے۔ یہ کتاب میرے فرزند ایشیا کے لئے وقف کی گئی ہے جس کی افسوسناک وفات دسمبر ۱۹۷۲ء میں ہونے والے ہوائی حادثے میں ہوئی۔ یہ کتاب دراصل میرے ان تعزیتی خطوط کا مجموعہ ہے جو میرے دوستوں نے مجھے اس موقع پر لکھے تھے۔ یہ خطوط مسائلِ زیست و موت اور دوسری متعلقہ باتوں پر مشتمل ہیں۔

سوال ۱۹: آپ کے اس جواب سے میرا ذہن پھر انسانی زندگی میں مصائب و آلام کی طرف جاتا ہے کیا آپ اس پر مزید روشنی ڈالیں گے؟

علامہ صاحب: یہ مصائب و آلام مومن کی ذاتی تکمیل کرنے اور روحانی بصیرت کی چوٹی کو پانے کے لئے اسے ضروری حوصلہ دینے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ دیکھئے کہ آج اگر میں وہ کچھ ہوں جو کچھ کہ میں ہوں تو یہ دراصل میری زندگی کے

اُن کئی تجربات، جو بعض اوقات مجھے انسانی مصائب کی اتھاہ گہرائیوں تک لے گئے کا نتیجہ ہے۔ میری زندگی مصائب و آلام اور مشقتوں سے بھرپور رہی ہے۔ میں نے طویل عرصے تک انتہائی شدید انسانی اور روحانی جذبات کے طوفان بھی جھیلے ہیں۔ لیکن پھر بھی میرے پاس مایوس ہونے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ اموات اور دنیوی اشیاء کی حصولی سے میں متاثر نہیں ہوتا ہوں۔ اور نہ ہی میں نے کبھی ان چیزوں کے لئے شک بہائے ہیں۔ بہر حال مومن کو چاہئے کہ مشکلات کو ہمیشہ رحمت سمجھے کیونکہ اکثر ان ہی میں اس کی روحانی ترقی (کارا ز) مضمر ہوتا ہے۔

سوال نمبر ۲۰ :- وہ کیا خاص بات ہے علامہ صاحب جو آپ کی تحریروں کو انفرادیت بخشی ہے؟

علامہ صاحب :- یہ تحریریں کتابیں کیونکہ ان میں خداوندی تائید شامل حال رہی ہے۔

سوال نمبر ۲۱ :- یہ کافی دلچسپ بات ہے۔ کیا آپ ہمیں اس بارے میں کچھ اور بتائیں گے کہ یہ خداوندی تائید کس طرح کام کرتی ہے؟

علامہ صاحب :- (میرے خیال میں) زندگی بذاتِ خود ایک تائید ہے۔

مجھے لکھنے سے محبت ہے۔ لکھتے وقت میں بالکل محو اور خوشی سے بھر پور ہو جاتا ہوں۔ آہ! لکھنا... جب خامشی اور آرام ہو تو لکھنے کے لئے کامل موڈ بن جاتا ہے میں اپنی آنکھوں کو اس طرح بند کر کے اور اپنے ہاتھوں کو اس طرح رکھ لیتا ہوں۔ (علامہ صاحب میز کے کونے میں رکھی ہوئی کرسی پر آرام سے بیٹھتے ہیں۔ آنکھیں نرمی سے بند ہیں۔ ہاتھ گود میں باندھے ہوئے رکھے ہیں۔ ان کے چہرے پر ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ مکمل سکون جھلک رہا ہے) بالکل اسی طرح۔ یہ فکری عبادت ہے۔ اس طرح۔ (علامہ صاحب ابھی تک آنکھیں بند کئے ہوئے ہیں) اور پھر میں اپنے قلب و روح کی آواز کو سنتا ہوں وہ مجھ سے گفتگو کرتے ہیں۔ میرے تصور میں ایک دھندلا سا خانہ ابھرتا ہے پھر وہ وسیع تر اور واضح تر یعنی الفاظ کے قالب میں ڈھلتا چلا جاتا ہے (علامہ صاحب آہستگی سے آنکھیں کھول کر مسکراتے ہیں) میں اس کام سے انتہائی درجے کی خوشی محسوس کرتا ہوں۔ میں جماعت کے لئے بہت زیادہ محبت کے جذبات رکھتا ہوں اور جماعت کے لئے لکھتے ہوئے از بس شادمان ہوتا ہوں اور بعض اوقات لکھنے کی خواہش اتنی شدید تر ہوتی ہے کہ میں

عبادت کے لئے بھی نہیں بیٹھتا ہوں۔ عام طور پر میں صبح دو بجے اپنے بستر سے نکل کر اپنے بچوں پر آہستگی سے اپنی میز کی طرف آتا ہوں تاکہ میری حرکات سے گھر میں موجود افراد کا آرام خراب نہ ہو۔ اس طرح مجھے اپنی تحریری سرگرمی سے بے انتہا خوشی ہوتی ہے۔

سوال ۲۲ :- آپ کی شاعری کے مجموعوں کے مطالعے اور مشاہدے کے بعد قارئین نے اسے ”عارفانہ شاعری“ قرار دیا ہے اس کا کیا مطلب ہے؟

علامہ صاحب :- عارفانہ شاعری وہ شاعری ہے جو اپنے اندر حقیقت و معرفت کے اسرار و رموز سموئے ہوئے ہو۔

سوال ۲۳ :- آپ کی تمام تحریریں زیادہ تر اردو میں ہیں جو حالانکہ بذات خود ایک خوبصورت زبان ہے مگر بد قسمتی سے مغرب کی جماعات اسے لکھنے یا پڑھنے سے قاصر ہیں۔ کیا ان کتابوں کو انگریزی میں ترجمہ کرنے کی کوئی کوشش آپ کے علم میں ہے؟

علامہ صاحب :- میری خواہش ہے کہ کچھ جامعیتی علماء (SCHOLARS) میری کتابوں کا انگریزی اور گجراتی میں ترجمہ کریں۔ میرے شاگرد رشید جناب (ڈاکٹر) فقیر محمد ہونزائی صاحب نے محترمہ زین قاسم کی مدد سے میری چند کتب جیسے آٹھ سوال

کے جواب اور قرآن اور روحانیت کے علاوہ باطنی معنی پر مشتمل چند مقالوں کا ترجمہ کرنا شروع کیا ہے۔ علاوہ ازین کراچی کے ہمارے ایک دوست جناب خان محمد صاحب پہلے ہی امام شناسی حصہ اول کا ترجمہ کر چکے ہیں۔ میری امید ہے کہ بالآخر میری تمام کتب کا انگریزی میں ترجمہ کیا جائے گا۔

سوال ۲۲ :- علامہ صاحب آپ کا تعلق علاقہ ہونزہ سے ہے جو اس امر کے لئے مشہور ہے کہ اس کے باشندے ضعیفی میں بھی بہت اچھی صحت کے مالک ہوتے ہیں۔ کیا آپ اس کے متعلق ہمارے قارئین کو کچھ بتانا پسند فرمائیں گے؟

علامہ صاحب :- جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ ہونزہ پہاڑی علاقہ میں واقع ہے لہذا جس ہوا میں ہم سانس لیتے ہیں وہ نسبتاً زیادہ پاک و صاف ہے۔ ویسے بھی وہاں کی زندگی کافی سادہ ہے اور مغرب اور دنیا کے دوسرے ممالک میں صنعتوں کی فراوانی کے باعث فضا کی آلودگی کا جو مسئلہ ہے وہ بھی ہمیں درپیش نہیں ہے۔ ہونزہ میں لوگوں کی اکثریت زراعت پیشہ ہے اور ان کی غذا بہت سے پھل اور سبز پودوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ بہر حال زیادہ تفصیلات حاصل کرنے

کے لئے میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ رینے ٹیلر  
 "(RENEE TAYLOR) کی کتاب "HUNZA"  
 "HEALTH SECRET" پڑھیں۔ اس  
 کتاب کے مصنف نے یقیناً ہونزہ کے بارے میں مکمل  
 ریسرچ کی ہوگی لہذا اس کتاب سے آپ کو بہت اچھی اور  
 مفید معلومات حاصل ہونی چاہئیں۔

سوال ۲۵ :- علامہ صاحب یہ بتائیں کہ مادی محبت اور روحانی محبت  
 کے بارے میں آپ کے کیا تاثرات ہیں؟

علامہ صاحب :- میرے خیال میں محبت کی دونوں ہی قسمیں اہم ہیں کیونکہ  
 مادی محبت ایک ایسا پل ہے جو روحانی محبت یا حقیقت  
 تک لے جاتا ہے۔ روحانی بصیرت رکھنے والے مومن کے  
 قلب میں بنی نوع انسان کے لئے عمومی اور مومنین کے لئے  
 خصوصی محبت جاری و ساری رہتی ہے وہ جان لیتا ہے  
 کہ امام اور اس کے روحانی بچوں کی یہ پُرسوز محبت  
 نے اسے غلام بنا لیا ہے اور یہی دراصل دنیا میں بہترین  
 غلامی ہے۔

سوال ۲۶ :- علامہ صاحب آپ کو کس قسم کی چیزوں سے محبت ہے؟  
 علامہ صاحب :- مجھے محبت ہے جماعت اور تمام بنی نوع انسانوں سے...  
 محبت ہے تبلیغِ علم سے... علما اور علمِ دین سے دلچسپی

رکھنے والے مومنین سے علمی مذاکرات کرنے سے..... اس خواہش سے جو علمی محفل منعقد کرنے کے بارے میں ہو.... اور مجھے محبت ہے عبادت میں مستغرق مومنین کے مقدس چہروں کے منظر سے.... ان تمام چیزوں سے مجھے بے حد محبت ہے اور اس سے مجھے بے انتہا خوشی ملتی ہے۔

سوال ۲۷ :- علامہ صاحب ماضی میں آپ اسمعیلیہ ایسوسی ایشن برائے پاکستان (اسمعیلی طریقہ اینڈ رییلیجس ایجوکیشن بورڈ) سے ایک ریسرچ ایسوسی ایٹ کی حیثیت سے منسلک رہے ہیں۔ کیا آپ اپنے لئے حال ہی میں افتتاح کئے جانے والے انسٹی ٹیوٹ آف اسمعیلی اسٹڈیز (معدالدراسات الاسلامیہ) لندن، یو کے۔ میں ایسی ہی خدمات سرانجام دینے کی کوئی امکانیت پاتے ہیں۔

علامہ صاحب :- جی ہاں یہ درست ہے کہ میں اسمعیلیہ ایسوسی ایشن برائے پاکستان میں ۱۵ سال تک کام کرتا رہا اور حال ہی میں میں نے ریسرچ ایسوسی ایٹ کے عہدے سے استعفیٰ دیا ہے۔

جہاں تک آپ کے سوال کے دوسرے حصے کا تعلق ہے آپ کو یہ سمجھنا چاہئے کہ میرے کام کی نوعیت کچھ ایسی ہے کہ میرے لئے آزادی سے اس کام کو اسی طرح جاری



رکھنا بہتر ہے۔ البتہ مجھے یہ امید ہے کہ مستقبل میں انسٹی  
ٹیوٹ آف اسمبلی اسٹڈیز لندن اور دوسرے علمی مراکز  
میں نوجوان علماء میرے کاموں کو اسمبلی مذہب کے  
لئے ماخذ کے طور پر استعمال کریں گے۔

سوال ۲۸ :- اس علمی کام کے لئے مالی وسائل کی فراہمی یقیناً  
آپ کے لئے ایک مسئلہ رہی ہوگی۔ کیا ہم اس سلسلے  
میں آپ کی کوئی مدد کر سکتے ہیں تاکہ یہ خزانہ علمی دنیا بھر  
کے زیادہ سے زیادہ اسمبلیوں تک پہنچ سکے؟

علامہ صاحب :- آپ کا اندازہ درست ہے۔ مالی وسائل کی فراہمی  
ایک مسئلہ رہا ہے۔ وہ علم دوست حضرات جو اس  
علم کے پھیلاؤ کے خواہشمند ہیں کسی بھی وقت ہم  
سے رابطہ کر سکتے ہیں۔ شاید باہمی مشاورت و مذاکرات  
کے ذریعے ہم کوئی ایسا طریقہ کار وضع کر سکتے ہیں جس  
کے تحت میں آپ کو اپنی کتب شائع کروانے کے حقوق  
دے سکوں۔ اس وقت میرے لئے کتب کے تراجم اور  
مالی وسائل کی فراہمی دو مسئلے ہیں۔ تاہم جہاں تک کتب  
کے ترجمے کئے جانے کا تعلق ہے میرے نزدیک یہ امر  
انتہائی اہم ہے کہ ان ترجموں میں میری تحریر کا مفہوم بعینہ  
بیان ہو اور اصل معنی مجروح نہ ہوں۔ اس وقت بھی میری

کوئی پانچ کتابیں پاکستان کے ایک پریس میں ہیں جس کی نگرانی میرے فرزند اور طلباء کر رہے ہیں۔  
سوال ۲۹ :- مشرقی کینیڈا میں اپنے اس مختصر قیام کے عرصے میں آپ ان بے شمار جماعتی افراد سے ملے جو دور دراز سے آپ کے مختلف لیکچرز، سیمینارز اور سنجی محفلیں اٹینڈ کرنے کے لئے آئے۔ ان کے بارے میں آپ کے کیا تاثرات ہیں؟

علامہ صاحب :- مجھے یہ کہنے دیجیے کہ میں جماعتیں لیڈرز اور بذاتِ خود جماعت سے مل کر بہت ہی متاثر اور مسرور ہوا ہوں۔ میرا اندازہ ہے کہ آنے والے سالوں میں کینیڈا کی جماعت میں دنیا بھر کے اسماعیلیوں کی خدمت کرنے کی بے شمار صلاحیتیں پنہان ہیں۔ مجھے بہت خوشی اور کامل اعتماد ہے کہ آپ کی جماعت سے یہ دینی دوستی مجھے نسبتاً زیادہ لوگوں تک اپنا علم پہنچانے کے قابل بنا سکے گی۔

سوال ۳۰ :- ہمارے یہاں کے نوجوانوں کے بارے میں آپ کے کیا تاثرات ہیں؟  
علامہ صاحب :- مجھے آپ کے نوجوانوں سے مل کر اور گفتگو کر کے بے انتہا خوشی ہوئی ہے۔ دینی علم کے لئے میں ان میں آمادگی اور

ذوق و شوق پاتا ہوں اور یہ دیکھ کر مجھے انتہائی خوشی حاصل ہوتی ہے۔ توجوانوں کے سوالات کے جوابات مہیا کرنے کے لئے ایک مرکز ہونا چاہئے جہاں وہ مذہب کے بارے میں کوئی بھی سوال کر سکیں اور میرے خیال میں کینیڈا میں ایک ایسا ادارہ ضرور کامیابی سے کام کرے گا۔

سوال ۳۱ :- موجودہ دور میں انسانی باہمی تعلقات میں ایک عجیب سی لا تعلقی کا جو عنصر شامل ہو گیا ہے اس کے بارے میں آپ کا نکتہ نظر کیا ہے؟

علامہ صاحب :- ہمارا اخلاقی لائحہ عمل (CODE OF CONDUCT)

ہمارے تمام اعمال کو متاثر کرتا ہے۔ اگر ہمارے اخلاقی لائحہ عمل میں کسی قسم کی کمی ہے تو نتیجتاً یہ ہماری زندگیوں پر اثر انداز ہوگی۔ اس لئے مذہب کو ہماری زندگیوں میں بالادستی حاصل ہونی چاہئے کیونکہ مذہب ہمیں زندگی گزارنے کا بہترین طریقہ بتاتا ہے۔ ویسے دنیوی طور پر مادی ترقی کے اس دور کے تسلسل کے کچھ وقت کے بعد تمام لوگ کسی ایک لائحہ عمل کو متفقہ طور پر قبول کر لیں گے۔ ذاتی طور پر میرا خیال ہے کہ اخلاقی اقدار کی پیروی ضرور کی جانی چاہئے اولاً اس لئے کہ رسول اکرمؐ نے

ہمیں اخلاقی بنیادوں پر استوار ایک مذہب کی تعلیم  
 دی اور ثانیاً اس لئے کہ ہم ایک ایسے وقت کی طرف  
 بڑھ رہے ہیں جبکہ روحانی انقلاب وقوع پذیر ہونے  
 والا ہے۔

## انٹرویو کے اختتامی کلمات

شکر یہ علامہ صاحب! ہم پر خلوص امید کرتے ہیں کہ اس  
 شمارے کے ذریعے کینیڈا اور دیگر جماعتوں کی توجہ آپ جیسی ولولہ انگیز  
 شخصیت کی طرف مبذول ہوگی۔ ہمیں امید ہے کہ جماعت آپ کو وہ  
 اخلاقی اور مالی سہارا دیں گی جو پوری دنیا کو آپ کے علم و بہتر کافائدہ  
 پہنچانے کے لئے ضروری ہے۔  
 دلچسپی رکھنے والے اسمعیلی حضرات علامہ بزرگوار سے اس پتے پر  
 رابطہ قائم کریں :-

علامہ نصیر الدین ہونزائی  
 ۳ رے، نورولا، ۲۶۹۔ گارڈن ویسٹ  
 کراچی پاکستان

